شاہ رخ نذیر

لیکچرار اردو، خاتونِ پاکستان گورنمنٹ کالج، کراچی

شکیبؔ جلالی کی شاعری کا نفسیاتی تجزیہ

Abstracts

The psychological analysis of Shakeb Jalali's poetry

By Shahrukh Nazeer, Lecturer Urdu, Khatoon-e-Pakistan, Govt. College, Karachi

This study examines the psychoanalytic dimensions present in literature, with a particular focus on how an artist internalises and then externalises an entire universe shaped by personal experiences and emotions. As the creator of such a world, the artist's works inevitably mirror their inner turmoil and complexities. Shakeb Jalali, a modern Urdu poet whose life was marked by profound tragedies, exemplifies this phenomenon. Despite his short lifespan, Jalali emerged as a prominent voice among contemporary poets. His poetry is deeply influenced by personal losses, societal injustices, betrayal by friends, and a pervasive sense of neglect, culminating ultimately in his tragic suicide. This paper aims to critically examine the psychological factors that left lasting imprints on Shakeb Jalali's creative consciousness and are vividly reflected in his poetry.

Keywords: Psychoanalysis, Sigmund Freud, Conscious, Unconscious, Psychoanalysis and Literary Criticism, Shakeb Jalali (a prominent Urdu

poet), Psychological Analysis, Urdu Poetry, Psychological Analysis of Poetry.

تلخیص

ادب میں تحلیلِ نفسی ان تمام عوامل کا احاطہ کرتا ہے جس میں فن کار نے جل کر اپنے اندر ایک جہاں کو جنم دیا ہوتا ہے۔ چوں کہ وہ اس جہاں کا موجد ہوتا ہے تو اس کی تخلیقات اس جہانِ نیرنگ کا آئنہ دار ثابت ہوتی ہیں۔ شکیبؔ جیسے شاعر جن کی زندگی المیوں کا دفتر رہی، ان کی شاعری میں اس کی جھلک نظر نہ آئے یہ ممکن ہی نہیں۔ شکیب جلالی کا شمار جدید اردو شعراء میں ہوتا ہے۔ گو کہ انھوں نے کم عمر پائی مگر اس کے باوجود بھی وہ اپنے وقت کے نمائندہ شعرا کی صف میں شامل ہوئے۔ شکیب جلالیؔ کی زندگی صدمات کا مجموعہ ہے، والدہ کی موت، زندگی کی ناہمواریاں، معاشرے کا ناروا سلوک، دوستوں کا فریب، زمانے سے ناقدری کا شکوہ، یہ فہرست بلآخر ان کی خودکشی پہ ختم ہوتی ہے۔ زیرِ نظر مقالے میں شکیب کی شاعری میں ان تمام محرکات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے جس نے ان کی ذہن کے پردے پر گہرے نشان ثبت کیے۔

کلیدی الفاظ: تحلیلِ نفسی، سگمنڈ فرائڈ، شعور، لاشعور، تحلیلِ نفسی اور ادبی تنقید، شکیب جلالیؔ، نفسیاتی جائزہ، اردو شاعری، شاعری کا نفسیاتی جائزہ

نفسیات کو انگریزی میں سائیکولوجی (Psychology) کہتے ہیں۔ یہ دو یونانی الفاظ Psyche اور Logos کا مرکب ہے۔ لفظ سائیکی (Psyche) یونانی لفظ Psukhe سے ماخذ ہے جس کے معنی سانس یا روح ہے۔ جبکہ Logos کے معنی لفظ یا منطق ہے۔ نفسیات کے لغوی معنی علم النفس ہے۔ اس کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے

> "Psychology is the scientific study of behaviour and mental process."(1)

نفسیات کو سائنس یا علم کی حیثیت سے پہلی بار فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ نے متعارف کروایا۔ بیسوی صدی میں

نفسیات سمیت بہت سے علوم نے ادب کو متاثر کیا۔ اس کے مکاتبِ فکر میں تحلیلِ نفسی نے ادب پہ گہرے اثرات مرتب کیے۔ تحلیلِ نفسی کو متعارف کروانے والا شخص "سگمنڈ فرائڈ" تھا۔ فرائڈ آسٹریا سے تعلق رکھنے والا ایک ماہرِ نفسیات تھا۔ جہاں دوسرے ماہرینِ نفسیات انسانی کردار اور شعور کا مطالعہ کر رہے تھے وہاں فرائڈ نے ذہن کے لاشعوری محرکات کی طرف توجہ دلائی اور ذہنی عوامل کے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسانی ذہن کا بیشتر حصہ لاشعوری محرکات پہ مشتمل ہے جو کہ شعور پر حاوی ہے۔

فرائڈ کے مطابق فرد کی شخصیت کا تعین اس کے بچپن کے واقعات اور تجربات سے ہوتا ہے۔ فرائڈ کے نظریات اور طریقۂ علاج "تحلیلِ نفسی" کہلاتا ہے۔ تحلیلِ نفسی ذہن کے مطالعے اور تجزیے کے متعلق نظریات اور علاج کے طریقوں کا نام ہے۔ یہ محض طریقۂ علاج ہی نہیں بلکہ تحقیق اور تنقید کا مؤثر ذریعہ، زندگی کے متعلق فلسفیانہ نقطۂ نظر اور شخصیت کا ایک نظریہ بھی ہے۔

فرائڈ کے مطابق فرد کی شخصیت کی بنیاد تین متحرک پہلوؤں پہ رکھی جاتی ہے۔ لاذات(Id)، انا (ego)اور فوق الانا(super ego)۔ جبکہ انسانی ذہن کو وہ تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ شعور(Conscious)، تحت الشعور(Sub-Conscious)، اور لاشعور(Unconscious) ۔

تحلیلِ نفسی کے مطابق فرد کا لاشعور ہمیشہ شعور پر حاوی رہتا ہے۔ اس کا اندازہ خود انسان کو بھی نہیں ہوتا۔ اس کا ہر عمل، ہر جذبہ لاشعور کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ پیدائش سے لے کر سات، آٹھ سال کی عمر تک فرد کے لاشعوری ذہن میں جو جذبات اور احساسات پیدا ہوتے ہیں وہی اس کی زندگی کے کم و بیش ہر مرحلے میں اس کے افعال، اعمال اور سوچ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی داخلی محرکات اس کی خارجی حالت میں کار فرما ہوتے ہیں۔ اگر ان داخلی محرکات کو جان لیا جائے تو فرد کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

فرائڈ کو ادب سے لگاؤ تھا اسی باعث اس نے ادب میں نظریۂ تحلیلِ نفسی کو متعارف کروایا۔ ادیبوں کے بارے میں فرائڈ کا نظریہ ہے:

> "وہ خواہشات اور آرزوئیں جو زندگی میں پوری نہیں ہوئیں، انھیں ایک ادیب اپنی ہیجانی تدبیر سے خواب یا تحلیل کی صورت میں ادا کر کے ان کا ارتفاع کرتا ہے۔ اور اس طرح جذبے یا جبلت کو فروتر سے ہٹا کر برتر سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ادیب ایک قسم کا دیوانہ یا مجنوں ہے اور ادب ایک قسم کا طریقۂ علاج (Therapy) ہے جو اس کی بیماری کا رخ بلند ترین مقاصد کی طرف موڑ کر اُسے دور کر دیتا ہے۔"(۲)

فرائڈ کا یہ قول اپنی جگہ درست ہے مگر ادب اور ادیب کے معاملے میں لاشعوری محرکات میں صرف دبی خواہشات اور آرزوئیں نہیں بلکہ جذباتی الجھنیں، ذہنی کشمکش، محرومیاں، المیے، نفسی و اعصابی کج رویاں اور داخلی کیفیات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تہذیب اور سماج بھی لاشعوری محرکات میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

نفسیاتی تنقید کی بنیاد فرائڈ کا یہی نظریۂ تحلیلِ نفسی بنا۔ نفسیاتی تنقید میں کسی بھی فن پارے کا تجزیہ کرتے ہوئے مرکز فن کار اور اس کے لاشعور کو بنایا جاتا ہے۔ اور اس کے لاشعور تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ذریعے یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ فن کار نے کن ذہنی، جسمانی، سماجی اور معاشرتی کیفیات و محرکات کے زیرِ اثر رہ کر فن پارے کی تخلیق کی ہے۔

فن کار فطری طور پر عام انسانوں سے زیادہ حساس ہوتا ہے۔ اس پر لوگوں کے رویے، لہجے، باتیں، زمانے کی سختیاں، سماج کی زیادتیاں اور معاشرتی المیے عام انسان سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں بہت ہی کم ایسے فن کار نظر آئیں گے جو ہشاش بشاش اور زندگی سے بھرپور دل رکھتے ہوں۔ زیادہ تر ایک فن کار کا دل ہمیشہ زخمی ہی ہوتا ہے اور اس کا فن اسی زخمی دل کی آہ ہوتا ہے۔ آپ پکاسو کو دیکھیں یا وین گاگ کو، ہیمنگوے، فرانز کافکا یا پھر دستوئیفیسکی کو پڑھ لیں، میرؔ صاحب کو دیکھیں یا ابنِ انشا کو۔ ایسے بہت سے فن کاروں کے نام بآسانی سامنے آجائیں گے جن کی پوری زندگی المیوں اور تخلیقات شاہکاروں سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی تخلیقات کو اگر ان کی زندگی کے آئینے میں دیکھا جائے تو ان کی مشکلات، سختیاں، مصائب اور ناچارگی منعکس ہوتی نظر آئے گی۔

شکیب جلالی کا شمار بھی ایسے ہی تخلیق کاروں میں ہوتا ہے۔ شکیبؔ جدید اردو شاعری کا ایک اہم نام ہیں۔ ان کی شاعری کلاسیکیت اور جدیدت کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ غمِ جاناں اور غمِ دوراں ان کے ہاں شیر و شکر نظر آتے ہیں۔ شکیبؔ نے غزلیں، نظمیں، رباعیات اور قطعات بھی کہے مگر وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور غزل ہی ان کی شہرت کی وجہ بنی۔ شکیبؔ نے صرف پینتیس برس کی عمر پائی اور اتنی کم عمری میں بھی وہ ادب کی دنیا میں اپنا نام بنانے میں کامیاب رہے۔

شکیبؔ جلالی یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ نام سید حسن رضوی اور تخلص شکیبؔ تھا۔ والد کا نام سید صغیر حسن رضوی اور والدہ کا نام زبیدہ خاتون تھا۔ شکیب دس برس کے تھے جب ان کے والد نے اپنی بیوی زبیدہ خاتون کو چلتی ریل سے دھکا دے دیا۔ والد کا ذہنی توازن بگڑنے کے بعد بہنوں کی ذمے داری شکیبؔ کے کندھوں پہ آئی۔ شکیبؔ نے میٹرک بدایوں سے پاس کیا اور ۱۹۵۰ء میں نانا اور ماموں کے اصرار پر پاکستان چلے آئے اور راولپنڈی میں ماموں کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ یہاں ہی شکیب کے ادبی سفر کا باقاعدہ آغاز اور تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں ادیب فاضل، انٹر سیالکوٹ اور بی اے لاہور سے پاس کیا جبکہ ایم اے کی تیاری کے دوران ہی سفر ناتمام کا

آغاز ہو گیا۔ ہجرت کے کچھ عرصہ بعد ہی راولپنڈی سے ماموں کا تبادلہ کراچی ہو گیا اور ان کی معاشی و خانگی مجبوریوں کی وجہ سے چار بہنوں کی مکمل ذمے داری ان کے کاندھوں پر آپڑی جو انھوں نے بہ خوبی نبھائی اور تین بہنوں کی شادی کا فرض اپنی زندگی میں ہی ادا کیا۔ انھوں نے ملازمت کے ساتھ ساتھ ادبی رسالوں **گونج**، **شاہکار**، **وحدت** اور **جاوید** کی ادارت کے بھی فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۵۶ء میں شادی کے بعد اپنی اہلیہ کی والدہ اور سگی خالہ کی ذمے داری بھی شکیب کے کاندھوں نے اٹھالی۔ اللہ نے اس خاندان کو پانچ مرتبہ اولاد کی خوش خبری دی مگر تین اولادیں ہی دنیا میں زندہ آسکیں۔ جس میں سے پہلے بیٹے کا سات دن کی عمر میں ایک حادثے کے نتیجے میں انتقال ہو گیا جبکہ دوسرا بیٹا سید حسین اقدس رضوی ۱۹۶۳ء میں اور بیٹی سید حنا بتول ۱۹۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ ماں کی موت کے حادثے نے دس سالہ شکیبؔ کے معصوم ذہن پر اتنے شدید اور انمٹ نقش ثبت کیے کہ وہ عمر بھر اس سے پیچھا نہ چھڑا سکے اور اٹھارہ سال بعد انھوں نے اپنے تھکے ہوئے وجود کو چلتی ریل کے سامنے گرا دیا۔ ۲۱ نومبر ۱۹۶۶ء کو نفسیاتی وجہ کی بنا پر سرگودھا میں ریل گاڑی کے آگے آکر خودکشی کر لی۔ سرگودھا ہی میں مدفون ہیں۔[۳]

شکیبؔ جدید اردو غزل میں ابھرتا ہوا ایک نام تھے جنھیں کئی اردو شعراء کی طرح زمانے کی ناقدری کا شکوہ تھا۔ وہ اپنے زمانے میں عدم مطابقت کا شکار رہے۔ معاشرے نے بھی ان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہ کیا۔ ان کے راستوں میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ ان کی صلاحیتوں کو ماننے سے انکار کیا۔ انھیں جذباتی اور ذہنی تکالیف پہنچائیں۔ لوگوں کی یہی ناقدری، ناانصافیاں اور تکلیفیں شکیب کو اندر ہی اندر دھیرے دھیرے مارتی رہیں۔ شکیبؔ کی شاعری میں شعوری اور لاشعوری طور پر زمانے کے انھی رویوں کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

آکے پتھر تو مرے صحن میں دو چار گرے　　جتنے اس پیڑ کے پھل تھے پسِ دیوار گرے
(ص۱۰۶)

برق کیوں ان کو جلانے پہ کمر بستہ ہے　　میں تو چھاؤں میں کسی پیڑ کی بیٹھا ہی نہیں
(ص۱۲۵)

یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک　　کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا
(ص۱۰۵)

برا نہ مانیے لوگوں کی عیب جوئی کا　　انھیں تو دن کا بھی سایہ دکھائی دیتا ہے
(ص۱۳۰)

ہر ایک بات ہے منت کشِ زباں لوگو　　نہیں ہے کوئی بھی اپنا مزاج داں لوگو
(ص۱۴۸)

دم نہ مارے، مری طرح جو سہے　　　اس زمانے کی گرم و سرد ہوا
(ص۱۹۰)

روشن ضمیر آج بھی ظلمت نصیب ہیں　　　تم نے دیئے ہیں پوچھ کر نام و نسب چراغ
(ص۱۹۱)

درج بالا اشعار میں شکیب نے کہیں واضح اور کہیں ڈھکے چھپے الفاظ میں زمانے کی ناانصافی، ناقدری، جذباتی اور ذہنی تکالیف کا ذکر کیا ہے۔ زمانے کی کج رویوں نے ان کے حساس دل پر ایسے گہرے کچوکے لگائے کہ پھر کبھی ان کے زخمِ دل بھر نہ سکے اور انھی زخموں کا رستا ہوا خون ان کی شاعری کی صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ شکیب جیسے حساس دل انسان پر زمانے کی ناانصافی اور ناقدری کا بہت گہرا اثر ہوا اور معاشرے میں یہی عدم مطابقت ان کی شاعری میں بے جا طور پہ نظر آتی ہے۔ شکیب صرف حالات اور زمانے کے ستائے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان کے کچھ قریبی دوست احباب بھی ایسے تھے جو ظاہراً تو ان کے خیر اخواہ تھے مگر باطن میں ان کے دلوں میں شکیب کے لیے کینہ تھا۔

> ’’شکیب کی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں نے دوستوں سے زیادہ اپنے مخالفین کی تعداد میں اضافہ کیا۔ یہاں وہی المیہ جنم لیتا ہے کہ جینئس کی قدر ان کا عہد اس طرح نہیں کر پاتا، جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ احباب کے ناروا سلوک اور پیشہ ورانہ رقابت نے شکیبؔ کے تلخ تجربات میں شدت سے اضافہ کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نامساعد حالات کے ہاتھوں شکیب کی حد درجہ حساس طبیعت شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی۔‘‘(۴)

انھی تلخ تجربات اور دوستوں کی بے وفائی کا ذکر شکیب کی شاعری میں کچھ اس انداز میں ملتا ہے:

شکیب اہلِ دنیا کے اطوار دیکھے　　　لبوں پہ تبسم، دلوں میں ہے کینہ
(ص۲۶۹)

یہ جو ہمدرد بن کے آتے ہیں　　　غم کا احساس ہی جگاتے ہیں
(ص۱۹۵)

حالِ باطن کسی کو کیا معلوم　　　ظاہراً دوست دار ہے دنیا
(ص۲۲۹)

زمانہ ساز زمانے کی بات رہنے دو　　　خلوصِ دوست کے ماروں کی بات رہنے دو
(ص۲۶۱)

دوستی کا فریب ہی کھائیں　　آؤ کاغذ کی ناؤ تیرائیں
(ص۲۸۷)

دوست کیا معتبر نہیں ہوتے　　آپ سے ہاں مگر نہیں ہوتے
(ص۲۸۹)

وقت نے یہ کہا ہے رک رک کر　　آج کے دوست کل کے بیگانے
(ص۳۳۱)

شکیب کے لیے دوستوں اور دشمنوں کا تفرقہ ختم ہو گیا تھا، زمانے کی کھلی عدواتیں کم نہ تھیں مگر جو کام دوستوں کی زہر خندہ مسکراہٹوں نے کیا وہ شکیب کو اس نہج تک لے آیا جہاں شکیب کو دنیا میں کوئی بھی اپنا نظر نہ آیا۔ اسی فرق کے مٹ جانے کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

کیوں کر بڑھائیں ربط کسی اجنبی کے ساتھ　　ساتھی تھے عمر بھر کے جو غیروں سے جا ملے
(ص۳۴۳)

یہ اور بات ہے کوئی کسی کا دوست نہ ہو　　اگر ہے کوئی تو پھر دشمنی عجب کیا ہے
(ص۳۵۸)

یہ لطف زہر نہ بن جائے زندگی کے لیے　　چلے تو آئے ہو تجدیدِ دوستی کے لیے
(ص۴۳۴)

شکیبؔ نے اپنی شاعری میں دوستوں کے لیے رہنما اور رہبر کا لفظ کئی بار استعمال کیا ہے۔ دوست وہ رہبر ہوتا ہے جو مشکل وقت میں ساتھ نبھا کر راستہ دکھاتا ہے۔ شکیب بھی دوستوں کو ایسا ہی رہبر اور رہنما سمجھتے تھے جنھوں نے شکیب کو زندگی کی راہ دکھائی تھی اور مشکل حالات سے نکلنے کے گُر سکھانے تھے مگر صد افسوس شکیب کے یہ رہبر و رہنما ان کے لیے رہزن ثابت ہوئے اور انھی کے دیے دکھ اور صدمات کی بدولت شکیب موت کے قریب تر ہوتے گئے۔
یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

ہمسفر چھوٹ گئے، رہنما روٹھ گئے　　یوں بھی آسان ہوئی منزلِ دشوار یہاں
(ص۱۴۱)

آبلہ پائی کا ہم کو غم نہ تھا　　رہنماؤں کی ہنسی تڑپا گئی
(ص۳۶۸)

ہم نواؤں نے مل کے لوٹ لیا آشناؤں نے مل کے لوٹ لیا
(ص۳۰۹)

رہزنوں کا نصیب کیا کہیے رہنماؤں نے مل کے لوٹ لیا
(ص۳۰۹)

اٹھ گیا اعتبار منزل کا دیکھ لی رہبروں کی دانائی
(ص۴۹۲)

شکیب نے بعض اشعار میں ایسے ہی دوستوں کو آستین کا سانپ کہا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

ڈس لیں تو ان کے زہر کا آسان ہے اتار
یہ سانپ آستین کے پالے ہوئے نہیں
(ص۱۴۲)

شکیبؔ کی شاعری کا شروع سے آخر تک مطالعہ کریں تو ایک تنہائی کا احساس ہے جو ان کے کلام میں محسوس ہو گا۔ یہ تنہائی دو مختلف رنگوں میں ہے۔ ایک سب کے چھوڑ جانے کے بعد کی تنہائی، جس میں انسان خود کو اکیلا اور تنہا محسوس کرتا ہے، اور جس میں وہ اپنے سائے سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ تنہائی کا دوسرا رنگ لوگوں کی موجودگی کے باعث پیدا ہونے والا خوف ہے۔ اس قسم کی تنہائی میں انسان لوگوں کے ہجوم میں بھی خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت ایسی ہی ہے کہ آپ لوگوں سے بھرے کمرے میں ہوں، جہاں لوگ آپ کو جانتے تو ہوں مگر پہچانتے نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں انسان کی تنہائی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اسے اپنے اندر کے خالی پن کا احساس شدت سے ہونے لگتا ہے۔ پھر انسان ایسی صحبتوں سے دور بھاگ جانے کا تمنائی ہوتا ہے، اسے لوگوں سے خوف آنے لگتا ہے اور وہ اپنی وحشت کو شانت کرنے کے لیے جنگل، بیاباں یا پہاڑوں میں کھو جانے کی چاہت رکھنے لگتا ہے۔ شکیبؔ دنیا والوں اور عزیزوں کے ستائے ہوئے تھے۔ زمانے میں عدم مطابقت اور ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے وہ خود کو سب سے الگ اور تنہا محسوس کرتے تھے، اس بات کو وہ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

سلوکِ زمانہ سے تنگ آگیا ہوں بیاباں بسانے کو جی چاہتا ہے
(ص۲۰۱)

یہ آدمی ہیں کہ سائے ہیں آدمیت کے گزر ہوا ہے مرا کس اجاڑ بستی میں
(ص۱۱۲)

وہاں کی روشنیوں نے بھی ظلم ڈھائے بہت   میں اس گلی میں اکیلا تھا اور سائے بہت

(ص۱۲۷)

ان اشعار میں سائے سے مراد وہ لوگ یا وہ ساتھی ہیں جو وقت پڑنے پر شکیب کو تنہا چھوڑ گئے۔ سائے صرف تب تک ہی ساتھ دیتے ہیں جب تک روشنی ہوتی ہے، اندھیرا ہوتے ہی سائے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب تک شکیب کی زندگی میں ذرا سی روشنی باقی رہی لوگ ساتھ رہے لیکن جیسے ہی غم کی گھٹا چھائی تو سب سائے کی مانند منظر سے غائب ہو گئے۔

یہاں سائے سے مراد یہ بھی لی جا سکتی ہے کہ سائے نہ دیکھتے ہیں اور نہ بولتے ہیں اور نہ ہی سائے میں تفریق کی جا سکتی ہے کہ کون سا سایہ دوست کا ہے اور کون سا دشمن کا۔ اسی لیے شکیبؔ نے یہاں انسان کے لیے "سائے" کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ نہ کوئی ان کے حق میں بولتا ہے اور نہ ہی دوست اور دشمن میں اب فرق باقی ہے۔ ان کے لیے سب ہی ایک سے سائے تھے۔

شکیبؔ اپنی تنہائی سے خوش نظر آتے ہیں کیوں کہ یہ تنہائی ہی ہے جو ان کی مخلص ساتھی ہے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں:

روتے ہیں دل کے زخم تو ہنستا نہیں کوئی
اتنا تو فائدہ مجھے تنہائیوں سے ہے

(ص۱۹۲)

غالبؔ کو دشت دیکھ کر گھر یاد آتا تھا مگر شکیب کا اکیلا پن اس قدر بڑھ گیا کہ انھیں صحرا بھی اپنے جیسا تنہا اور لوگوں سے بیزار نظر آنے لگا۔

جہاں تلک بھی یہ صحرا دکھائی دیتا ہے
مری طرح سے اکیلا دکھائی دیتا ہے

(ص۱۳۰)

ان کی تنہائی بے جا نہیں ہے اس کا سبب وہ دھوکے اور صدمات ہیں جو لوگوں کی طرف سے انھیں ملے۔ وہ انسانوں اور دنیا کے ستائے ہوئے تھے۔ شکیب کو دنیا سے جو گزند پہنچی تھی اس کے باعث انھیں لوگوں کی موجودگی سے خوف آنے لگا تھا۔ اور انسان کے لیے یہ المیہ ہی تو کہ اسے لوگوں کی موجودگی خوف زدہ کرنے لگے۔

میں وہ آدم گزیدہ ہوں جو تنہائی کے صحرا میں
خود اپنی چاپ سن کر لرزہ براندام ہوجائے

(ص۱۳۳)

شکیب کا یہ شعر ان کی تمام ترکیفیات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ اگر شکیب اپنی شاعری میں کہیں اور لوگوں کی زیادتیوں کا ذکر نہ بھی کرتے تو صرف ایک یہ شعر تمام بات سمجھانے کے لیے کافی تھا۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ شکیبؔ کا بھروسا لوگوں پر سے اٹھ گیا تھا۔ اِسی کیفیت میں ایک اور شعر جو کلیات میں ملتا ہے:

شب خوں کے ڈر سے تھا مجھے ہر پیڑ پر گمان
یہ بھی نہ ہو غنیم کے لشکر کا آدمی

(ص۴۲۳)

شکیبؔ صرف دس سال کے تھے جب ان کے والد نے شکیب کی والدہ کو چلتی ریل سے دھکیل دیا۔ حالات یا وجوہات جو بھی ہوں پر والدہ کی موت نے دس سالہ شکیب کے ذہن پہ ایسے ان مٹ نقش ثبت کیے کہ تمام عمر شکیبؔ اس حادثے کے حصار سے نہ نکل سکے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

"انکی والدہ کی خونی ہلاکت نے ان کے ذہن پر گہرے اثرات چھوڑے تھے۔"۵

انسانی ذہن کے تینوں حصوں میں لاشعور سب سے طاقت ور تسلیم کیا جاتا ہے۔ لاشعور میں انسان کی تمام یادیں ناصرف محفوظ ہوتی ہیں، بلکہ وہ جذبات کی شدت کی بدولت وقتاً فوقتاً سطح پر آتی رہتی ہیں، لاشعور میں دبی یہ یادیں ایسے سمندری دیو کی مانند ہوتی ہیں جو سطح پر آتے ہیں سمندر میں ناصرف ہیجان کا باعث بنتا ہے بلکہ سمندر کی ذات پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ان یادوں، واقعات اور خواہشات کا انسانی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ لاشعور انسان کے حرکات وسکنات میں عمل دخل دیتا ہے اور یہی عوامل ایک فن کار کی تخلیق کے محرکات میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ شکیب کے لاشعور پہ والدہ کی موت کا سانحہ پوری طرح حاوی تھا۔ وہ تمام عمر اس ایک یاد کے شکنجے سے خود کو رہانہ کرواسکے اور بلآخر انھوں نے بھی اپنی زندگی کا خاتمہ بالکل ویسے ہی کیا جیسے ان کی والدہ کی موت ہوئی تھی۔

شکیب کی شاعری میں موت کا ذکر بلواسطہ اور بلاواسطہ نظر آتا ہے۔ لیکن ان کے ہاں موت خوف کے پیرہن میں نہیں ہے، نہ ہی موت کے ذکر میں یاسیت یا قنوطیت موجود ہے، موت ان کے لیے کھیل ہے اور یہ کھیل وہ زندگی سے جیت جانے کے عزم سے کھیلتے نظر آئے۔

طوفاں طوفاں گھوم چکے ہیں، ساحل ساحل دیکھ آئے
مرنا جینا کھیل ہے یارو، کھیل کوئی دشوار نہیں

(ص۹۸۳)

زندگانی سے کھیلنے والے
موت سے بے خبر نہیں ہوتے

(ص۲۹۰)

ان اشعار کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے شکیبؔ نے زندگی اور موت دونوں کو ہی اتنے قریب سے دیکھ لیا تھا کہ پھر دونوں ہی ان کے لیے ایک کھیل کی حیثیت اختیار کر گئے اور کھیل بھی ایسا جو اب ان کے لیے مشکل ہر گز نہ تھے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس میں انسان اپنے غم، مصائب، پریشانیوں اور تنگیوں میں گھر کر اس نہج پہ پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے لیے یہ سب کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور وہ زندگی کی حدود سے نکل جانا چاہتا ہے۔

فصیلِ جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

(ص۱۱۸)

اس شعر میں موت کا استعارہ جس مہارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، وہیں یہ شعر اپنی تمام تر کرب ناکیوں کے ساتھ شاعر کے لاشعور کا واضح طور پر پتا دیتا ہے۔ شکیب اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں زندگی اور موت، غم اور خوشی دونوں ہی ایک برابر ہیں۔ پر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ شکیبؔ کو زندگی سے زیادہ دلکش موت لگتی ہے۔ شکیبؔ کہتے ہیں:

جب کبھی موت کا خیال آیا
زیست میں کوئی دلکشی نہ رہی

(ص۲۵۳)

زندگی کے مقابلے میں موت انھیں زیادہ سحر انگیز لگتی ہے۔ یہ وہ ساحرہ ہے جس کے سحر میں گرفتار ہو کر شکیب نے خود کو اس کے سپرد کر دیا۔ شکیبؔ کی شاعری میں زندگی اور موت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نظر آتی ہیں اور آخر میں جیت موت کی ہوتی ہے اور زندگی ہار جاتی ہے۔

تو نے کہا نا تھا کہ میں کشتی پہ بوجھ ہوں
آنکھوں کو اب نہ ڈھانپ مجھے ڈوبتے بھی دیکھ

شکیب کے یہاں یہ مایوسی دل گرفتگی سیاسی اور سماجی مسائل سے دست و گریباں ہونے کے سبب نہیں۔ ان میں زیادہ تر ذاتی محرومیوں اور حق تلفیوں کے باعث ہے۔ ان کے ہاں ذاتی جذبات اور ردِ عمل کا دباؤ شروع سے آخر تک نظر آتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اپنوں کے بدلتے رویے اور

دوستوں کی فریب نے انھیں ہر شے سے بیزار کر دیا تھا۔ شکیبؔ کی شاعری کا نفسیاتی جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی ماں کی موت کا حادثہ، معاشرے کے تلخ رویے اور ناانصافیاں ہی شکیب ہی زندگی کا سب سے بڑا روگ تھے اور انھی باتوں نے ایک جواں عمر شاعر کو اردو ادب کی دنیا سے دور کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حواشی

۱۔ روبرٹ ایس فیلڈ مین (Robert S. Feldman)، Understanding Psychology، (ایمرہسٹ: یونی ورسٹی آف میساچوسٹس، ۲۰۱۴)، ص ۴۳۹

۲۔ جمیل جالبی، مقدمہ، مشمولہ ارسطو سے ایلیٹ تک، (کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۷

۳۔ ذوالفقار احسن، شکیب جلالی: ایک مطالعہ، (راولپنڈی: نقش گر پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۶-۳۵

۴۔ صفیہ عباد، راگ، رت، خواہشِ مرگ اور تنہا پھول (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن)، ص ۱۸۶

۵۔ احمد ندیم قاسمی، ''شکیب جلالی کے فن پر محترم جناب احمد ندیم قاسمی کے مختلف مضامین سے اقتباس''، مشمولہ کلیاتِ شکیبؔ جلالی، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء) ص ۲۸

ماخذ

۱۔ احسن، ذوالفقار، شکیب جلالی: ایک مطالعہ، راولپنڈی: نقش گر پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء

۲۔ جالبی، جمیل، مقدمہ، مشمولہ ارسطو سے ایلیٹ تک، کراچی: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء

۳۔ عباد، صفیہ، راگ، رت، خواہشِ مرگ اور تنہا پھول، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن

۴۔ فیلڈ مین، روبرٹ ایس (Feldman, S, Robert)، Understanding Psychology، ایمرہسٹ: یونی ورسٹی آف میساچوسٹس، ۲۰۱۴

۵۔ قاسمی، احمد ندیم، ''شکیب جلالی کے فن پر محترم جناب احمد ندیم قاسمی کے مختلف مضامین سے اقتباس''، مشمولہ کلیاتِ شکیبؔ جلالی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء

Refrences:

1. Robert S. Feldman, *Understanding Psychology*, (Emarets: University of Massachusetts2014-), p 439
2. Jameel Jalbi, *Foreward*, in *Arastu se Eliot tak* (Karachi: National Book Foundation, 1976), p. 17
3. Zulfiqar Ahsan, *Shakeeb Jalali: Ek Mutala*, (Rawalpindi: Naqashgar publication, 2009), p. 16-35
4. Safia Ebad, *Raag, Rut, Khawish-e-Marg aur Tanha Phool*, (Islamabad: National Book Foundation, 2009), p. 186

5. Ahmed Nadeem Qasmi, “Shakeeb Jalali ke Fun par Mohtaram Janab Ahmed Nadeem Qasmi ky Mukhtalif Mazameen sy Iqtebaas”, in *Kulliyaat-e-Shakeeb Jalali*, (Lahore: Sang-e-meel Publications, 2011), p. 28

Bibliography:

1. Ahsan, Zulfiqar, *Shakeeb Jalali: Ek Mutala*, Rawalpindi: Naqashgar publication, 2009
2. Ebad, Safia, *Raag, Rut, Khawish-e-Marg aur Tanha Phool*, Islamabad: National Book Foundation, 2009
3. Feldman, Robert S., *Understanding Psychology*, Emarets-: University of Massachusetts, 2014
4. Jalbi, Jameel, *Foreward*, in *Arastu se Eliot tak*, Karachi: National Book Foundation, 1976
5. Qasmi, Ahmed Nadeem, “Shakeeb Jalali ke Fun par Mohtaram Janab Ahmed Nadeem Qasmi ky Mukhtalif Mazameen sy Iqtebaas”, in *Kulliyaat-e-Shakeeb Jalali*, - Lahore: Sang-e-meel Publications, 2011